© rasailojaraid.com

جاوید احمد غامدی کے مضمون پر ناقدانہ نظر

ڈاکٹر عبدالواحد جامعہ مدنیہ لاہور

کچھ کلام کرنے سے پیشتر ہم چاہتے ہیں کہ چند امور کی طرف توجہ دلائیں۔

۱۔ جاوید صاحب اپنے مضمون میں جا بجا بلاغت کے اسالیب، اعلیٰ اسلوب بیان وغیرہ جیسے الفاظ اور لبید و اعشیٰ زہیر و امرأ القیس کا نام ذکر کرتے ہیں جس سے قاری کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ پچھلے مفسرین اور فقہاء غالباً ان امور سے نابلد تھے یا ان کا ادبی ذوق بلند نہ تھا اور جو پایا بھی جاتا ہے تو وہ محض بعض مولدین مثلاً متنبی وغیرہ کا تابع ہے۔ اور یہ کہ ان چند لوگوں نے (مثلاً مولانا امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد وغیرہ نے قرآن فہمی کا اصل طریقہ اب کہیں دوبارہ دریافت کیا ہے جس کی بناء پر ان پر فقہاء اور اصحاب تاویل (فقہاء کے اتباع کی وجہ سے) وغیرہ کی اغلاط منکشف ہوئی ہیں۔

جاوید صاحب کی یہ بات اصولی طور پر غلط ہے۔ علوم عربیہ میں استشہاد صرف جاہلی و مخضرمی ادب سے ہو سکتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص کل قرآن پاک کی تفسیر کرتا ہو یا اس کی بعض آیات کی تفسیر کرتا ہو اور وہ علوم عربیہ سے غافل ہو اور بلاغت کے اسالیب سے نابلد ہو۔ علماء نے تفسیر کے لیے پندرہ علوم ضروری قرار دیے ہیں جن میں سے علوم عربیہ بھی ہیں۔

فاما ما یحتاجہ التفسیر فامور الاول علم اللغۃ لان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

به يعرف شرح مفردات الالفاظ ومعلوماتها بحسب الوضع ولا يكفي اليسير اذ قد يكون اللفظ مشترکا وهو يعلم احد المعنيين والمراد الآخر فمن لم يكن عالما بلغات العرب لا يحل له التفسير کما قاله المجاهد الثانی معرفة الاحکام التی للکلم العربیة من جهة افرادها وترکیبها ویوخذ ذلک من علم النحو

تفسیر کے لیے چند امور کی احتیاج ہوتی ہے اوّل علم لغت کیونکہ اس سے مفردات الفاظ کی شرح اور وضع کے اعتبار سے ان کی معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ اور اس کا کچھ علم کافی نہ ہوگا کیونکہ لفظ کبھی مشترک ہوتا ہے اور یہ دو میں سے ایک معنی جانتا ہے حالانکہ مراد دوسرا معنی ہوتا ہے تو جو شخص لغات عرب کا علم نہیں رکھتا اس کو تفسیر کرنا جائز نہیں جیسا کہ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے دوم کلمات عربیہ کے افراد و ترکیب کے اعتبار سے احکام کی معرفت اور یہ چیز علم نحو سے حاصل ہوگی ۔

الثالث علم المعانی والبیان والبدیع ویعرف بالاول خواص تراکیب الکلام من جهة افادتها المعنی وبالثانی خواصها من حیث اختلافها وبالثالث وجوه تحسین الکلام وهو الرکن الاقوم والا زم الاعظم فی هذا الشان کما لا یخفی ذلک علی من ذاق طعم العلوم ولو بطرف اللسان

سوم علم معانی و بیان و بدیع ۔ اوّل سے کلام کی ترکیبوں کے خواص معلوم ہوتے ہیں اس اعتبار سے کہ یہ معنی کا فائدہ دیتی ہیں ۔ ثانی کی ذریعے سے تراکیب کے باعتبار ان کے اختلاف کے خواص معلوم ہوتے ہیں اور ثالث سے تحسین کلام کے وجوہ معلوم ہوتے ہیں اور یہ اس معاملے میں رکن اقوم اور لازم اعظم ہے جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے علوم کا ذائقہ چکھا اگرچہ نوک زبان سے ہی سہی ۔

اور مفسرین تو ایک طرف رہے وہ لوگ جو مجتہدین و فقہا میں شمار ہوتے ہیں ادب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی میں ان میں سے بہت سوں کا بلند مقام رہا ہے امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ کے بارے میں علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وکان اعلم الناس بکتاب اللّٰہ ماھرا فی العربیۃ والنحو والحساب وعن ابی عبید ما رأیت اعلم بکتاب اللّٰہ من محمد بن الحسن (لوگوں میں کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے ۔عربیت نحو اور حساب میں ماہر تھے ۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن الحسن سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کسی کو نہیں دیکھا ۔)

اسی طرح صاحب ہدایہ علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کان اماما فقیہا حافظا محدثا مفسرا جامعا للعلوم ادیبا شاعرا لم تر العیون مثلہ فی العلم والادب (وہ امام فقیہ حافظ محدث مفسر اور جامع العلوم تھے ---- ادیب اور شاعر تھے ۔علم وادب میں آنکھوں نے ان کی مثل کوئی نہیں دیکھا)

اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص ادب عربی کا ماہر سمجھا گیا ہو حالانکہ وہ ادب جاہلی اور اس کی بلاغت کے اسالیب سے بے خبر ہو ۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو اب جاوید صاحب کا یہ کہنا کہ " فقہ وادب کے دائرے چونکہ الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے احکامی آیات کے بعض مقتضیات کو سمجھنے میں فقہاء کی غلطیاں بڑی مشکل پیدا کر دیتی ہیں ...." لوگوں کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرنا ہے

۲- آیات میراث کے بارے میں جاوید صاحب نے بار بار کہا ہے کہ ان میں اسلوب وہ ہے جو ہر زبان کا ہوتا ہے مثلاً میزان حصہ اوّل کے ص ۴۸ پر لکھتے ہیں " کلام کا جو اسلوب یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ عربی زبان ہی کے ساتھ خاص نہیں ۔دنیا کی ہر زبان میں عام ہے ..." نیز ص ۷۵ پر ہے " اس مفہوم کے لیے جمع کا یہ اسلوب ہر زبان میں عام ہے" اسی وجہ سے انہوں نے اردو زبان میں مثالوں کے ساتھ وضاحت کی ہے ۔ جاوید صاحب کے اس قول وعمل کی بناء پر ہمیں بھی اختیار ہو گا کہ جہاں ضرورت سمجھیں اپنی زبان میں مثالوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ذریعے سے اپنی بات کی وضاحت کریں۔
آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف کے ذیل میں جاوید صاحب لکھتے ہیں۔

"اسلوب بیان کا یہ پہلو ملحوظ رہے تو یہ سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی کہ اگر کوئی مال کسی نوع کے لیے مخصوص کیا جائے اور اس کی مختلف اصناف میں اس کی تقسیم کا طریقہ بھی بتا دیا جائے تو کسی ایک صنف کی غیر موجودگی میں سارا مال خود بخود باقی اصناف کا حق قرار پائے گا۔ اس اصول کو ہم ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں فرض کیجیے کہ دس روپے کی رقم فقیروں کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ فقیر مرد کا حصہ دو فقیر عورتوں کے برابر ہوگا تو اس میں یہ واضح ہے کہ فی الاصل رقم فقیروں کے لیے ہے لہذا ان کی جماعت میں اگر فقیر مرد ہی ہونگے تو ساری رقم ان میں تقسیم کر دی جائے گی اور فقیر عورتیں ہی ہوں گی تو پھر بھی یہی کیا جائے گا۔ للذکر مثل حظ الانثیین اسی نوعیت کا جملہ ہے۔ اس سے اولاد میں تقسیم وراثت کے حکم کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے مرنے والے کی اولاد میں ایک لڑکا اور لڑکی ہو تو لڑکے کو لڑکی سے دونا ملے گا۔ اس سے زیادہ لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو اس کا ترکہ اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ ہر لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر رہے۔ اولاد میں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہی ہوں تو سارا ترکہ دونوں میں سے جو موجود ہوگا اسے دیا جائے گا"۔ (میزان حصہ اوّل ص ۸۵)

جاوید صاحب کا یہ کلام بلادلیل ہے اور بوجوہ ذیل غلط بھی۔

۱۔ آیت میں کسی مال کے اولاد کے لیے مخصوص ہونے کا ذکر نہیں۔ بلکہ اتنی بات ہے کہ پہلے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت وہدایت کرتا ہے اور اس سے اگلے جملے للذکر مثل حظ الانثیین میں اسلوب حذف (یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راجع الی الاولاد کا، کے ساتھ یہ بتایا کہ اگر اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ذوی الفروض کے حصے نکالنے کے بعد باقی مال ان میں اس تناسب سے تقسیم ہو کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملے۔

۲۔ جب ایک صنف کو دوسرے پر دوگنے کی ترجیح دی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والا دونوں صنفوں کو ایک ہی حصہ نہیں دینا چاہتا لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دو اصناف منفرد ہوں تو کیا حکم ہوگا؟ آخر ترجیح دینے کی کوئی وجہ تو ہوگی جو ممکن ہے حالت انفراد میں بھی موجود ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کے فوراً بعد لڑکیوں کا جب کہ وہ تنہا ہوں حصہ بیان کیا۔

۳۔ جب جاوید صاحب نے یہاں یہ قول کیا کہ، اولاد میں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہوں تو سارا ترکہ دونوں میں سے جو موجود ہوگا اسے دیا جائے گا" تو اگلے جملے میں تنہا لڑکیوں کے حصے کے بیان کو مجبور ہو کر انہوں نے ترمیم (بالفاظ دیگر تنسیخ) پر محمول کیا۔ لکھتے ہیں "اولاد میں تقسیم وراثت کا حکم، اگر ان الفاظ پر ختم ہو جاتا تو پھر بھی حصوں میں کوئی ابہام نہیں تھا لیکن اگلے ہی جملے میں قرآن مجید نے للذکر مثل حظ الانثیین کے مختلف تضمنات میں سے ایک میں ترمیم کر دی ہے" ص ۴۵ ایضاً شاید ترمیم کا لفظ زیادہ ہلکا تھا جو تنسیخ کی جگہ پر اس کو بلاپس وپیش استعمال کیا۔ لیکن ترمیم یا تنسیخ کا قول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ کا علم ہو جس سے مقدم و مؤخر کا پتا چلے۔ جاوید صاحب نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور اگر یہ کہیں کہ پوری آیت کا نزول بیک وقت ہوا تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے عاجز نہیں تھی کہ نزول اس طور پر فرماتے کہ ترمیم نہ کرنی پڑتی۔ اس سے تو کلام الٰہی میں نقص لازم آتا ہے (العیاذ باللہ) حالانکہ علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں یوصیکم اللہ فی اولادکم ھی آیت محکمۃ غیر منسوخۃ (یہ آیت محکم غیر منسوخ ہے)

پھر اسی پر بس نہیں کیا ایک اور تضاد کا مظاہرہ کیا۔ لکھتے ہیں " اس کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ اکیلی لڑکیوں کا حصہ متعین طریقے پر بیان کیا گیا ہے لیکن فان کن نساء فوق اثنتین کے آغاز میں حرف "ف" دلیل ہے کہ یہ بہر حال پہلے جملے ہی کے ایک پہلو کی وضاحت ہے۔ اس لیے اس کا حکم جملہ ماقبل سے مختلف نہیں ہو سکتا۔" ص ۷۸

جس کو پہلے ترمیم کہا اس کو اب وضاحت کہا۔ واقعی ایسے فہم ادب سے تو پچھلے فقہاء اور اصحاب تاویل عاجز ہی تھے (رحمہم اللہ تعالیٰ) جاوید صاحب لکھتے ہیں۔
"قرآن کی زبان میں اگر ہم ایک لڑکی اور دو یا دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان کرنا چاہیں تو اس کے دو طریقے ہیں ترتیب نزولی کے مطابق بیان کرنا پیش نظر ہو تو پہلے ایک لڑکی اور اس کے بعد دو لڑکیوں کا حصہ بیان کیا جائے گا۔ دو سے زائد کا حصہ لفظوں میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب ایک کے فوراً بعد دو کا حصہ اس طرح بیان کیا جائے کہ دونوں حصوں میں مقدار کے اعتبار سے فرق ہو اور اس کے بعد متکلم خاموش ہو جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دو سے زائد کا حکم بھی وہی ہے جو دو لڑکیوں کا ہے۔ اسی بات کو ہم ترتیب صعودی کے مطابق بیان کریں گے تو اس کیلئے فوق اثنتین اور اثنتین کے الفاظ کا استعمال چونکہ عربیت کے خلاف ہوگا اس لیے دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان کرنے کے بعد ایک کا حصہ بیان کر دیا جائے گا۔ اس اسلوب میں فوق اثنتین سے کلام کا آغاز خود اس بات پر دلیل ہوگا کہ اس سے پہلے اثنتین کا لفظ محذوف ہے۔ غور کیجیے تو اس حذف کا قرینہ بالکل واضح ہے۔ اس ترتیب کا حسن متقضی ہے کہ فوق اثنتین سے پہلے اثنتین کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا اور صحت زبان کا تقاضا ہے کہ فوق اثنتین سے بات شروع کی جائے تو بعد میں اثنتین مذکور نہ ہو۔ قرآن مجید نے یہ حصے یہاں ترتیب صعودی کے مطابق بیان کیے ہیں اس لیے حذف کا یہ اسلوب ملحوظ ہے۔ سورہ نساء کی آخری آیت میں یہی حصے ترتیب نزولی کے مطابق بیان ہوئے ہیں چنانچہ دیکھ لیجیے کہ وہاں اثنتین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد فوق اثنتین کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے؛ ص۲۰۴

اس عبارت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ خیر سے جاوید صاحب کو ترتیب نزولی اور ترتیب صعودی کا مطلب معلوم نہیں۔ نزولی نزول سے ہے جو کہ اوپر سے نیچے کو یا زیادہ سے کم کی طرف آنے کو کہتے ہیں اور صعودی صعود یعنی چڑھنے سے ہے جو نیچے سے اوپر یا کم سے زیادہ کی ہوتا ہے۔ جاوید صاحب نے پوری بحث اس کے برعکس کی ہے۔
پھر ترتیب خواہ نزولی ہو یا صعودی ہو جاوید صاحب کا یہ کہنا کہ "جب ایک کے فوراً بعد دو کا حصہ اس طرح بیان کیا جائے کہ دونوں حصوں میں مقدار کے اعتبار سے فرق ہو اور اس کے بعد متکلم خاموش ہو جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دو سے زائد کا حکم بھی وہی ہے جو دو لڑکیوں کا ہے" اس میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ یا تو یہ اصول مسلم ہو اور اہل قواعد اس سے باخبر ہوں اور اس کو تسلیم کرتے ہوں۔ اس صورت میں جاوید صاحب کو باحوالہ بات کرنی چاہیئے تھی۔

۲۔ یا یہ اصول جاوید صاحب نے قرآن میں غور و فکر کر کے نکالا ہے جو اہل عربیت کے قواعد کے خلاف ایک علیحدہ اصول و قاعدہ ہے جس کے ساتھ قرآن منفرد ہے۔ اس صورت میں یہ جاوید صاحب کا دعویٰ ہے جو کہ عقلی یا قرآنی دلائل کا محتاج ہے۔ اور جب جاوید صاحب خود فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے وہ لبید و اعشیٰ اور زہیر و امراء القیس کی زبان ہے" ص۴۶ اور جب وہ کلام عرب میں نظائر کی اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں (ص ۶۱) تو جاوید صاحب پر یہ بھی لازم تھا کہ کلام عرب سے ایسے نظائر و شواہد پیش کرتے کہ جو ان کے دعویٰ کی تائید و تصدیق کرتے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ جاوید صاحب کا محض اپنا طبع زاد دعویٰ ہے جو عقل کے مسلمہ قواعد کے خلاف ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ایک لڑکی ہو تو اس کا نصف حصہ ہے اور دو لڑکیاں ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ہے اور پھر آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاموش ہو جائیں تو سامع فوراً چونکے گا۔ اور آپ کی طرف سوال دراز کرے گا کہ جب ایک لڑکی کا اتنا حصہ ہے اور دو لڑکیوں کا اس سے زیادہ ہے تو تین یا زائد لڑکیوں کا کتنا ہوگا؟ بلکہ اس کا گمان غالب یہ ہوگا کہ تین یا زائد لڑکیاں ہوں تو ان کا مجموعی حصہ دو تہائی سے زیادہ ہوگا۔ عقل کے مسلمہ قواعد کو بالائے طاق رکھ کر قرآن کی طرف ایسی بات منسوب کرنا تو قرآن کے ساتھ نادان کی دوستی ہے۔

آخر دیکھئے کہ حذف کے اس قرینے کی طرف کسی مفسر اور امام لغت کی توجہ نہیں گئی۔ امام لغت زمخشری خود کشاف میں یہ سوال کرتے ہیں ولم یذکر حکم البنتین فی حال الانفراد فما حکمهما وما باله لم یذکر (دو لڑکیاں جب کہ منفرد ہوں ان کا حکم ذکر نہیں کیا گیا تو ان دو کا کیا حکم ہے اور کیا وجہ ہے کہ یہ حکم ذکر نہیں کیا گیا۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں: وقوله عز وجل فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک وان کانت واحدة فلها النصف فنص علی نصیب ما فوق الابنتین وعلی الواحدة ولم ینص علی فرض البنتین لان فی فحوی الایة دلالة علی بیان فرضهما (ج ۲ ص ۸) (یہ ارشاد الٰہی دو سے زائد بیٹیوں کے اور ایک بیٹی کے حصے پر نص ہے۔ اور دو بیٹیوں کے حصے کی تصریح نہیں کی گئی کیونکہ فحوی آیت میں ان کے حصے پر دلالت موجود ہے)

علامہ ابوبکر رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں القسم الثانی ما اذا مات وخلف الاناث فقط بین تعالیٰ انهن ان کن فوق اثنتین فلهن الثلثان وان کانت واحدة فلها النصف الا انه تعالیٰ لم یبین حکم البنتین بالقول الصریح واختلفوا فیه (قسم ثانی اس بارے میں ہے کہ کوئی شخص مرجائے اور فقط لڑکیاں چھوڑ جائے تو اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے قول صریح کے ساتھ دو بیٹیوں کا حکم بیان نہیں کیا۔ دو لڑکیوں کے حصے میں اختلاف ہے)

یہی بات روح المعانی میں کہی گئی ہے۔

دو لڑکیوں کے حصے میں اختلاف واقع ہوا ہے امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

فعن ابن عباس انه قال الثلثان فرض الثلاث من البنات فصاعدا واما فرض البنتين فهو النصف واحتج عليه بانه تعالیٰ قال فان كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا دو تہائی تین اور تین سے زائد بیٹیوں کا حصہ ہے۔

دو بیٹیوں کا حصہ تو وہ نصف ہے اور انہوں نے اس سے دلیل پکڑی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فان كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك

(اور اگر عورتیں دو سے زائد ہوں تو ان کے لیے ترکہ کا دو تہائی ہے)

وكلمة ان فى اللغة للاشتراط وذلك يدل على ان اخذ الثلثين مشروط بكونهن ثلاثا فصاعدا وذلك ينفى حصول الثلثين للبنتين۔

اور کلمہ ان لغت میں شرط کے لیے ہوتا ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کہ دو تہائی لینا لڑکیوں کے تین یا زائد ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ اور یہ بات دو لڑکیوں کے لیے دو تہائی کے حصول کی نفی کرتی ہے۔

والجواب من وجوه

جواب بوجوہ چند ہے۔

الاول ان هذا الكلام لازم على ابن عباسؓ لانه تعالیٰ قال وان كانت واحدة فلها النصف فجعل حصول النصف مشروطاً بكونها واحدة ذلك ينفى حصول النصف نصيبا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

للبنتين وهو قد جعل النصف نصيبا للبنتين فثبت ان هذا الكلام ان صح فهو يبطل قوله

الثانی انا لا نسلم ان کلمة ان تدخل علی انتفاء الحکم عند انتفاء الوصف یدل علیه انه لو کان الامر کذلك لزم التناقض بین هاتین الآیتین لان الاجماع دل علی ان نصیب الثنتین اما النصف واما الثلثان وبتقدیر ان یکون کلمة ان للاشتراط وجب القول بفسادهما فثبت ان القول بکلمة الاشتراط یفضی الی الباطل فکان باطلا ولانه تعالیٰ قال فان لم تجدوا کاتبا فرهان مقبوضة وقال لا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوٰة ان خفتم ولا یمکن ان یفید معنی الاشتراط فی هذه الایات

اول یہ کلام ابن عباس رضی اللہ عنہ پر لازم آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان کانت واحدۃ فلها النصف پس حصول نصف کو مشروط کیا بیٹی کے ایک ہونے کے ساتھ اور یہ منافی ہے دو بیٹیوں کے لیے بطور حصے کے نصف کے حصول کے حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نصف کو دو بیٹیوں کا حصہ بنایا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اگر یہ کلام صحیح ہے تو یہ ان کے اپنے کلام کو باطل کرتا ہے۔

ثانی ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ کلمہ ان انتفائے وصف کے وقت انتفائے حکم پر دلالت کرتا ہے۔ ہماری بات پر دلیل یہ ہے کہ اگر معاملہ یہی ہو تو ان دونوں آیتوں کے درمیان تناقض لازم آئے گا کیونکہ یہ دلیل ہے اس بات پر کہ دو بیٹیوں کا حصہ یا تو نصف ہے یا دو تہائی۔ اور کلمہ "اِنْ" کو شرط کے معنی میں لینے سے ان دونوں کے فساد کا قول واجب ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ کلمہ "اِنْ" کو شرط کے معنی میں لینا باطل کی طرف پہنچاتا ہے لہٰذا یہ خود باطل ہو گا۔ نیز اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فان لم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ اور لا جناح علیکم ان تقصروا من الصلاۃ ان خفتم اور ان آیات میں کلمہ ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرط کا معنی دینا ممکن نہیں ہے۔

الوجہ الثالث فی الجواب ھو ان فی الآیۃ تقدیما و تاخیرا والتقدیر فان کن نساء اثنتین فما فوقھما فلھن الثلثان

تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں تقدیر عبارت یوں ہے فان کن نساء اثنتین فما فوقھما فلھما الثلثان۔

اس تیسرے جواب کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں اس طرح ذکر کیا۔

وقیل ان معنی الآیۃ فان کن نساء اثنتین فما فوقھما الا انہ قدم ذکر الفوق علی الاثنتین کما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال "لاتسافر المراۃ سفرا فوق ثلاثۃ ایام الا ومعھا زوجھا او ذو محرم لھا" فان معناہ لاتسافر سفرا ثلاثۃ ایام فما فوقھا والی ذلک ذھب من قال ان اقل الجمع اثنان۔

اور کہا گیا کہ آیت کا معنی ہے فان کن نساء اثنتین فما فوقھما مگر یہ کہ فوق کے ذکر کو اثنتین پر مقدم کیا گیا ہے جیسا کہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین دن سے زائد سفر نہ کرے مگر یہ کہ اسکے ساتھ اسکا شوہر یا اسکا محرم ہو کیونکہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ عورت تین دن اور اس سے زائد سفر نہ کرے۔ اور اس بات کی طرف وہ لوگ گئے ہیں جن کا قول ہے کہ اقل جمع دو ہوتے ہیں

دیکھیے یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ علمائے صحابہ میں سے ہیں حبر الامۃ ہیں، علم تاویل ان کو حاصل ہے۔ عربیت اور بلاغت کے اسالیب سے خوب باخبر لیکن انہوں نے اس اسلوب کو نہیں پہچانا جس کو جاوید صاحب چودہ صدیوں کے بعد دریافت کرکے لائے ہیں اور انہوں نے دو لڑکیوں کے لیے دو تہائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو کیا نصف ہی کا قول کیا۔ پھر ان پر اعتراض کرنے والوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ کی بات تو عربیت کے اسلوب کے خلاف ہے اور اس کے مقابل بات تو اس اسلوب کی وجہ سے بالکل واضح اور صاف ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے تیسرے جواب سے خوش فہمی نہ ہو کہ یہ تو تقریباً وہی ہے جو میزان میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ میزان میں جاوید صاحب نے ترتیب نزولی و صعودی کا ذکر کیا ہے جب کہ یہ تیسرا جواب کسی قسم کی ترتیب سے معری ہے۔

تفسیر کبیر میں امام رازی رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں۔

واما سائر الامة (يعني جمهور الصحابة والائمة) فقد اجمعوا على ان فرض البنتين الثلثان. قالوا وانما عرفنا ذلك بوجوه الاول قال ابو مسلم الاصفهاني عرفناه من قوله تعالى للذكر مثل حظ الانثيين وذلك لان من مات وخلف ابنا و بنتا فههنا يجب ان يكون نصيب الابن الثلثين لقوله تعالى للذكر مثل حظ الانثيين. فاذا كان نصيب الذكر مثل نصيب الانثيين ونصيب الذكر ههنا هو الثلثان وجب لامحالة ان يكون نصيب الابنتين الثلثين۔

دیگر امت (یعنی جمہور صحابہ و ائمہ) کا اس پر اتفاق ہے کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہے انہوں نے کہا کہ اس بات کو ہم نے چند وجوہ سے جانا۔

اول ابو مسلم اصفہانی نے کہا ہم نے اس کو اللہ تعالیٰ کے قول للذکر مثل حظ الانثیین سے پہچانا اور یہ اس طرح کہ جو مر گیا۔ اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی تو یہاں واجب ہے کہ بیٹے کا حصہ دو تہائی ہو بوجہ فرمان الٰہی کے کہ "للذکر مثل حظ الانثیین"۔ تو جب ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مرد کا حصہ یہاں دو تہائی ہے تو لامحالہ واجب ہوا کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہو۔

الثانی ان قوله تعالٰی للذکر مثل حظ الانثیین یفید ان حظ الانثیین ازید من حظ الانثی الواحدة والا لزم ان یکون حظ الذکر مثل حظ الانثی الواحدة وذلك علی خلاف النص واذا ثبت ان حظ الانثیین ازید من حظ الواحدة فنقول وجب ان یکون ذلك هو الثلثان لانه لا قائل بالفرق۔

ثانی قول الٰہی "للذکر مثل حظ الانثیین" اس کا افادہ کرتا ہے کہ دو لڑکیوں کا حصہ ایک لڑکی کے حصہ سے زیادہ ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ایک لڑکے کا حصہ ایک لڑکی کے حصے کے برابر ہو اور یہ بات نص کے خلاف ہے۔ اور جب ثابت ہے کہ دو لڑکیوں کا حصہ ایک لڑکی کے حصے سے زائد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا دو تہائی ہونا واجب ہے کیونکہ فرق کا کوئی قائل نہیں ہے۔

الثالث انا ذکرنا فی سبب نزول هذه الایة انه علیه السلام اعطی بنتی سعد بن الربیع الثلثین وذلک یدل علی ما قلناه۔

ثالث اس آیت کے سبب نزول میں ہم نے ذکر کیا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے سعد بن الربیع کی دو بیٹیوں کو دو تہائی دیا۔ یہ ہمارے قول پر دلیل ہے۔

جمہور صحابہ اور ائمہ مجتہدین نے جن میں تفسیر قرآن کی شرائط بھی پائی جاتی تھیں نے بھی اور جواب تو دیے ہیں لیکن وہ جواب کسی نے نہیں دیا جو جاوید صاحب دیتے ہیں۔ آخر دیتے بھی کیسے؟ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم سے نوازا تھا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان سے رجوع ثابت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولعله لم يبلغه رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذلك (الحدیث الصحیح) کما قیل۔ فقال ما قال۔ وفی شرح الینبوع نقلاً عن الشریف شمس الدین الارموني انه قال فی شرح فرائض الوسیط: صح رجوع ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن ذلك نصاً او اجماعاً۔ وعلیه فیحتمل انه بلغه الحدیث او انه امعن النظر فی الآیة ففهم منها ما علیه الجمهور فرجع الی وفاقهم۔

اور شاید کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ صحیح حدیث نہیں پہنچی جیسا کہ ایک قول ہے پس انہوں نے وہ قول اختیار کیا۔ شرح ینبوع میں شریف شمس الدین رموني سے منقول ہے کہ انہوں نے شرح فرائض وسیط میں فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس قول سے رجوع صحیح طور پر ثابت ہے تو یہ اجماع ہو گیا۔ بناء بریں احتمال ہے کہ ان کو حدیث پہنچ گئی یا یہ کہ انہوں نے آیت میں (مزید) غور کیا اور اس سے انہوں نے جمہور کے مسلک کو سمجھ لیا پس ان کے ساتھ اتفاق کر لیا۔

حاصل یہ ہے کہ جاوید صاحب کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور مسلمہ قواعد کے خلاف ہے۔ البتہ دو لڑکیوں کے حصے کا علم ہمیں دلالت واشارہ سے اور حدیث صحیح سے حاصل ہوتا ہے جس کے ساتھ امت کا اجماع بھی لاحق ہو گیا ہے۔

اگلی بحث جو جاوید صاحب نے کی ہے وہ یہ ہے کہ تنہا لڑکیوں کی صورت میں ان کا حصہ پورے ترکہ میں سے نہیں ہوگا بلکہ دیگر ذوی الفروض کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بچ رہ جانے والے مال کا نصف یا دو تہائی ہوگا لکھتے ہیں۔

"کلام کا جو اسلوب یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ عربی زبان ہی کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص نہیں دنیا کی ہر زبان میں عام ہے۔ ہم اس کو اپنی زبان کی ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ کوئی شخص اپنے کسی عزیز کو کوئی متعین رقم دیتے ہوئے کہتا ہے۔ "یہ روپے بچوں میں اس طرح تقسیم کر دیے جائیں کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہو۔ آپ کے ہاں لڑکیاں ہی ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ہوگا اور آپ کے ابا اگر موجود ہوں تو آدھی رقم انہیں دے دیجیے گا"۔ ان جملوں پر غور کیجیے۔ ان سے قائل کا مقصد بالکل واضح ہے۔ جو شخص بھی زبان آشنا ہوگا وہ ان سے یہی مطلب سمجھے گا کہ روپے درحقیقت بچوں کے لیے دیے گئے ہیں۔ دینے والے نے اگر ان کے علاوہ کسی اور کو کچھ دینے کے لیے نہیں کہا ہے تو یہ رقم اس کی ہدایت کے مطابق تقسیم کر دی جائے گی اور اگر کسی کو کچھ دینے کی ہدایت کی ہے تو اس کا حصہ دینے کے بعد باقی روپیہ بہر حال ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ وہ یہ بات بھی بغیر کسی تکلف کے سمجھ لے گا کہ لڑکیاں اگر اکیلی ہیں تو ان کو بھی والد کی موجودگی میں اس کا حصہ دینے کے بعد باقی روپے کا دو تہائی ہی دیا جائے گا۔ اس کے سوا ان جملوں کا کوئی اور مفہوم کسی طرح نہیں سمجھا جا سکتا ــــ الخ ص ۴۸

جاوید صاحب کی سمجھ کو یا تو اس مقام پر دھوکہ لگا ہے یا وہ دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جاوید صاحب نے جو مثال بیان کی ہے اس کو بغور دیکھیں اس کا ایک جملہ یوں بنایا ہے "آپ کے ہاں لڑکیاں ہی ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ہوگا"، اگر قرآن پاک میں بھی اسی طرح ہوتا تو پھر ان کی بات بن سکتی تھی لیکن جب قرآن پاک میں خود تصریح ہے کہ فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک (اور اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں ہوں تو ان کے لیے دو تہائی ہے اس کا جو وہ چھوڑ کر مرا)، تو مثال یوں ہونی چاہیے تھی کہ "آپ کے ہاں لڑکیاں ہی ہوں تو ان کا حصہ کل مال کا دو تہائی ہوگا" جب اس حقیقت پر غور کریں گے تو جاوید صاحب بغیر کسی تکلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ لڑکیاں اگر اکیلی ہیں تو ان کو بھی والد کی موجودگی میں اس کا حصہ دینے کے بعد باقی روپے کا دو تہائی ہی دیا جائے گا۔

کیا قرآن پاک کے الفاظ ایسے ہی مہمل ہیں کہ جاوید صاحب ان کو اپنے طبع زاد اسلوب میں باآسانی گم کر سکتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو امام اللغۃ علامہ زمخشری کی کشاف ہی دیکھ لیتے۔ وہ لکھتے ہیں والضمیر فی ترك للمیّت لان الآیۃ لما کانت فی المیراث علم ان التارك ھو المیّت۔ معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں بھی یہ الفاظ موضوعہ ہیں کہ آیت کے مفہوم میں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ جاوید صاحب فقہاء پر طعنہ زنی کے خواہاں ہیں۔ مسئلہ عول کی مخالفت میں ان کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہاتھ آ گیا لہٰذا فقہاء کے خلاف بولنے کا موقع مل گیا اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اسلوب کلام کی آڑ لی لیکن حقیقت چھپی نہ رہی آخر کو بول ہی اٹھے "کسی رقم میں سے دو تہائی اور نصف بیک وقت ادا کرنا کسی طرح ممکن نہیں تقسیم کی یہ صورت انگلی اٹھا کر بتا دیتی ہے کہ لڑکیوں کا حصہ بھی باقی روپے ہی میں سے دیا جائے گا۔ بڑا ظلم کرے گا وہ شخص جو ان جملوں کا یہ مطلب سمجھے کہ قائل نے لڑکیوں کو بہرحال پوری رقم کا دو تہائی دینے کے لیے کہا ہے۔ اور چونکہ اس ہدایت کے مطابق روپے کو تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے ذواضعاف اقل نکال کر حصوں میں ایک جیسی کمی کر دینی چاہیئے۔ کلام کا یہ منشا اگر کوئی کہنے والے سے منسوب کرتا ہے تو اس سے اپنی سخن ناشناسی ہی کا ثبوت نہیں دیتا قائل کے بارے میں بھی دوسروں کو یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ پہیلیوں کی زبان میں بات کرتا ہے"۔ ص۴۹ آگے لکھتے ہیں۔

"فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ لڑکیوں کے حصے بہرصورت پورے ترکے میں سے دیئے جائیں گے۔ ان حضرات کی یہی غلطی ہے جس کی وجہ سے انہیں عول کا وہ عجیب و غریب قاعدہ ایجاد کرنا پڑا ہے جس کو ماہرین فقہ و قانون کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بوالعجبیوں میں قیامت تک بلند ترین مقام حاصل رہے گا۔کسی شخص نے کبھی علمی دنیا کے اعجوبوں کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی تو ہمیں یقین ہے کہ ہمارے علم میراث کی یہ یادگار اس میں سرفہرست ہو گی"۔ ص۵۰

جیسا کہ ہم نے بتایا کہ جاوید صاحب نے فقہاء کے بارے میں اپنے خبث باطن کو اسلوب بیان کے پردے میں چھپانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس پر ان کی اگلی عبارات بھی دلالت کرتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ اسلوب بیان کی نزاکتوں کو سمجھنے اور آیات پر غور و تدبر کرنے کے بجائے ان حضرات نے یہ چیستان اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دیا ہے اور اس کی دریافت کا سہرا حضرت عمر کے سر باندھا ہے۔ اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے"۔ ص۵۰

تماشا یہ ہے کہ پورا مضمون پڑھ جائیے کہیں اس اسلوب بیان کی تفصیل نہیں ملے گی۔ اسلوب بیان، بلاغت اور چند دیگر الفاظ کی تکرار اور لبید و اعشیٰ کا ذکر کر کے بعض عوام میں تو اپنی ادبیت اور فہم قرآن کا تصور بیٹھایا جا سکتا ہے لیکن فنی طور پر گفتگو کرنے کے لیے تو محض اتنا کافی نہیں لہٰذا جاوید صاحب نے بھی عافیت اسی میں سمجھی کہ اس کو بھی تجریدی (ABSTRACT) آرٹ ہی کی ایک قسم بنا دیا جائے۔

اس لیے فرماتے ہیں (ہم نے اوپر اپنی تاویل کے جو دلائل دیے ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق اصول بلاغت سے ہے اور بلاغت وہ چیز نہیں جسے اصول نحو اور قواعد ریاضی کی طرح دو اور دو چار کر کے بیان کیا جا سکے۔ اس کا تعلق ذوق اور وجدان سے ہے (نوٹ: اور بیچارے فقہاء جن میں صحابہ و تابعین بھی ہیں وہ ذوق و وجدان کہاں سے لاتے جو جاوید صاحب کو حاصل ہے)۔۔۔۔۔۔ فقروں کی عام نحوی تالیف سے ہم اس کے مقصد و مدعا تک نہیں پہنچ سکتے لیکن ایک ادب شناس اور صاحب ذوق سامع (نوٹ: جو جاوید صاحب کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے)، اس کلام کو سن کر متکلم کے ما فی الضمیر کو اس طرح پا لیتا ہے کہ عین میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

تقسیم وراثت کی ان آیات کو میں جس طرح سمجھتا ہوں میں نے اوپر بیان کر دیا ہے۔ میں جب ان آیات کو پڑھتا ہوں تو کلام کا یہ مفہوم بغیر کسی تکلف کے میرے سامنے آجاتا ہے (نوٹ: قرآن پاک میں تحریف معنوی کے بعد بلا تکلف ایسا ہی مفہوم حاصل ہوگا)۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں ان کو واضح کرنے سے قاصر رہوں میں اپنے قلم کے عجز کا اعتراف کرتا ہوں (نوٹ: خیال رہے کہ یہ قصور اور عجز جاوید صاحب میں کسی کمی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ جیسا کہ جاوید صاحب آگے لکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اسالیب کی بہت سی ندرتوں کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا)۔ لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ان آیات کو بار بار پڑھے گا یوصیکم اللہ فی اولادکم سے کلام کے آغاز کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ان کی تلاوت کرے گا ولابویہ میں حرف و اور فان کن نساء میں حرف ف کی دلالت کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو اس تاویل تک پہنچنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوگی (نوٹ: اصل وجہ ہم بیان کر چکے ہیں)

نحو و بلاغت دو الگ چیزیں ہیں۔ وجوہ اعراب کو ہم سمجھ لیتے ہیں اور بیان بھی کر سکتے ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ اسالیب کی بہت سی ندرتوں کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مطالعۂ ادب کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس میں وہ مقام بھی آتا ہے کہ جہاں آدمی محسوس کر سکتا ہے کہہ سکتا نہیں،، ص۵۰

اور کچھ ہو نہ ہو اس مقام کو تو جاوید صاحب نے خود ایک چیستان بنا دیا ہے کہ ان کا سا ذوق نہ رکھنے والے اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔

اس کو جاوید صاحب کی خیانت کہیے یا تحریف معنوی کہیے لیکن جب حقیقی صورتحال سامنے آگئی تو جاوید صاحب نے فقہاء پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال پر جو اعتراض کیا ہے کہ ”غور کیجیے تو اس حدیث سے یہ دعوی کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ اکیلی لڑکیوں کو بہر حال پورے ترکے کا دو تہائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا جائے گا"، اس کا بے بنیاد اور بودا ہونا بھی واضح ہو گیا کیونکہ حدیث کے الفاظ اعطہما الثلثین وما بقی فلک میں الثلثین اور الثمن میں لام عہد کا ہی ہو اور ان سے مراد قرآن میں مذکور مخصوص آٹھواں حصہ ہی ہو تب بھی جاوید صاحب کا منشاء پورا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن میں مذکور مخصوص دو ثلث سے مراد کل ترکہ کا دو تہائی ہے۔

جاوید صاحب نے جصاص رحمہ اللہ کی احکام القرآن سے حضرت عبداللہ بن عباس کا تنقید سے پر تبصرہ تو نقل کر دیا لیکن اس کی تحقیق کرنے یا اس کے نقل کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ عول کی صورتوں میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جاتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تبصرہ جاوید صاحب کو ذرا بھی مفید نہیں علم الفرائض کی مشہور کتاب سراجیہ کی شرح شریفیہ میں ہے۔

وسالہ رجل کیف تصنع بالفریضۃ العائلۃ فقال ادخل الضرر علی من ھو اسواء حالا وھی البنات والاخوات فانھن ینتقلن من فرض مقدر الی فرض غیر مقدر

ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ عول والے فریضہ میں کیا کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں نقصان کو ان پر ڈالتا ہوں جو کمتر حالت والے ہیں اور وہ بیٹیاں اور بہنیں ہیں کیونکہ وہ متعین حصے سے غیر متعین حصے کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

ویؤید کلامہ انہ اذا تعلقت حقوق بمال لا یفی بہا یقدم منہا ما کان اقوی کالتجہیز والدین والوصیۃ والمیراث فاذا ضاقت الترکۃ عن الفروض یقدم الاقوی۔ ولا شک ان من ینقل من فرض مقدر الی فرض اخر مقدر یکون صاحب فرض من کل وجہ فیکون اقوی ممن ینقل من فرض مقدر الی فرض غیر مقدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لانہ صاحب فرض من وجہ وعصبۃ من وجہ فادخال النقص والحرمان علیہ اولیٰ لان ذوی الفروض مقدمون علی العصبات

ص۵۵ (مطبع علی)

ان کے کلام کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جب حقوق کسی مال کے ساتھ متعلق ہوں اور وہ مال، ان کو پورا نہ ہو تو ان میں جو قوی ترحق ہوگا اس کو مقدم کیا جائے گا مثلاً تجہیز اور دین اور وصیت اور میراث۔ تو جب ترکہ حصوں سے کم ہو جائے۔ تو قوی تر کو مقدم کیا جائے گا۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ جو ایک متعین حصے سے دوسرے متعین حصے کی طرف منتقل ہوتا ہے وہ ہر اعتبار سے حصہ والا ہوتا ہے لہٰذا وہ قوی تر ہے بنسبت اس کے جو متعین حصہ سے غیر متعین حصہ کی طرف منتقل ہوتا ہے کیونکہ من وجہ حصہ والا ہے اور من وجہ عصبہ ہے پس نقص و حرمان کو اس شخص پر داخل کرنا اولی ہے کیونکہ حصے والے عصبات پر مقدم ہوتے ہیں"

اول تو ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی پورے ترکہ میں سے دو لڑکیوں کے لیے دو تہائی حصے کے قائل ہیں۔ اسی لیے وہ تقسیم کی ایک اور صورت نکالتے ہیں کہ کمتر حالت والے ورثاء جو کہ بیٹیاں اور بہنیں ہیں ان کے حصے میں۔ کمی کر دی جائے۔ نیز جاوید صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ دیکھیں "عطا کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے ابو عباس مجھے اور آپ کو اس کا کیا فائدہ ہم دنیا سے رخصت ہوئے تو ہماری میراث بھی اس طریقے کے مطابق تقسیم کی جائے گی جو لوگوں نے ہماری رائے کے خلاف اختیار کر رکھا ہے (ص۵۳ میزان) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت باقی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین عول کے قول کو اختیار کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ عطا رحمہ اللہ کو امید نہ تھی کہ اور لوگ ان کی رائے سے موافقت کریں گے بلکہ اپنے خاندان والے بھی مخالف تھے۔

شریفیہ شرح سراجیہ میں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولنا ان اصحاب الفروض المجتمعة فی الترکة قد تساودا
فی سبب الاستحقاق وھو النص فیتساوون فی الاستحقاق
وحینئذ یاخذ کل واحد منھم جمیع حقہ ان اتسع
المحل ویضرب بجمیع حقہ اذا ضاق المحل کالغرماء فی الترکة
فاذا اوجب اللہ تعالیٰ فی مال نصفین وثلثا مثلاً علم
ان المراد الضرب بھذہ الفروض فی ذلک المال
لاستحالة وفائہ بھا بخلاف التجھیز واخوتہ فانھا
حقوق مرتبة کما سلف والنقل من الفروض
الی العصوبة لایوجب ضعفا لان العصوبة اقوی اسباب
الارث فکیف یثبت النقصان او الحرمان بھذا الاعتبار
فی بعض الاحوال فاذن الحق ما علیہ عامة الصحابة
وجمھور الفقہاء۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ترکہ میں مجتمع حصوں کے اصحاب سبب استحقاق جو کہ نص ہے میں برابر ہیں پس یہ استحقاق میں برابر ہوں گے اور اس وقت اگر محل میں وسعت ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنا حصہ لے گا اور اگر محل میں تنگی ہو تو اس کے پورے حق میں نقصان آئے گا مثلاً ترکہ میں غرماء (قرضخواہ)۔ تو مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے نصف اور دو تہائی کا ایجاب کیا تو معلوم ہوا کہ مراد ان حصوں کو اس مال میں ضرب دینا ہے بوجہ اس مال کے ان حصوں پر پورا نہ ہونے کے برخلاف تجہیز وغیرہ کے کیونکہ جیسا کہ گزرا یہ حقوق مرتبہ ہیں۔ اور فروض (حصوں) سے عصبہ کی طرف منتقل ہونا موجب ضعف نہیں کیونکہ عصوبت اسباب میراث میں سے قوی تر ہے۔ تو اس اعتبار سے بعض حالات میں نقصان یا حرمان کو کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس وقت حق وہی ہے جس کو عام صحابہ اور جمہور فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاوید صاحب کا مقصد تو چونکہ فقہاء پر طعنہ زنی تھی ورنہ دیانتداری تو یہ تھی کہ وہ بتاتے کہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے برعکس عام صحابہ اور جمہور فقہاء کے قول کو ترجیح دی ہے۔ جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والحجة للقول الاول ان الله تعالیٰ قد سمی للزوج النصف وللاخت من الاب والام النصف وللاخوة من الام الثلث ولم یفرق بین حال اجتماعهم وانفرادهم فوجب استعمال نص الآیة فی کل موضع علی حسب الامکان فاذا انفردوا واتسع المال لسهامهم قسم بینهم علیها واذا اجتمعوا وجب استعمال حکم الآیة فی التضارب بها ومن اقتصر علی بعض واسقط بعضا أو نقص نصیب بعض وفی الاخرین کمال نسهامهم فقد ادخل الضیم علی بعضهم مع مساواته للاخرین فی التسمیة فاما ما قاله ابن عباس من تقدیم من قدم الله تعالیٰ وتاخیر من اخرنا نما قدم بعضا واخر بعضا وجعل له الباقی فی حال التعصیب فاما حال التسمیة التی لا تعصیب فیها فلیس واحد منهم اولی بالتقدیم من الاخر الا تری ان الاخت منصوص علی فرضها بقوله تعالیٰ (وله اخت فلها نصف ما ترک) کنصه علی فرض الزوج والام والاخوة من الام فمن این وجب تقدیم هؤلاء علیها فی هذه الحال۔ وقد نص الله تعالیٰ علی فرضها فی هذا الحال کما نص علی فرض الذین معها ولیس یجب لان الله ازال فرضها الی غیر فرض فی موضع ان یزیل فرضها فی الحال التی نص علیه فیها فهذا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القول اشنع فی مخالفة الآی التی فیہا سہام المواریث من القول باثبات نصف ونصف وثلث علی وجہ المضاربۃ بہا ولذلک نظائر فی المواریث من الاصول ایضاً قال اللہ تعالیٰ (من بعد وصیۃ یوصی بہا اَو دین) فلو ترک المیت الف درہم وعلیہ دین لرجل الف درہم ولآخر خمس ماۃ ولآخر الف کانت الالف المتروکۃ مقسومۃ بینہم علی قدر دیونہم ولیس یجوز ان یقال لما لم یمکن استیفاء الفین وخمس ماۃ من الف استحال الضرب بہا۔ وکذلك لو اوصی رجل بثلث مالہ لرجل وبسدسہ لآخر ولم تجز ذلك الورثۃ تضاربا فی الثلث بقدر وصایاہم فیضرب احدہما بالسدس والآخر بالثلث مع استحالۃ استیفاء النصف من الثلث۔ وکذلك الابن یستحق جمیع المال لو انفرد وللبنت النصف لو انفردت فاذا اجتمعا ضرب الابن بجمیع المال والبنت بالنصف فیکون المال بینہما اثلاثاً وھکذا سبیل العول فی الفرائض عند تدافع السہام واللہ اعلم ص۱۹۱ ج۲ احکام القرآن۔

قول اول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لیئے نصف ذکر کیا اور حقیقی بہن کے لئے نصف ذکر کیا اور اخیافی بھائیوں کے لیئے تہائی ذکر کیا۔ اور ان کی اجتماعی وانفرادی حالتوں کے مابین فرق نہیں تو واجب ہے کہ آیت کی نص کو ہر مقام میں حسب امکان استعمال کیا جائے۔ جب منفرد ہوں اور مال میں ان کے حصوں کے لیئے وسعت ہو تو مال کو ان کے درمیان حصوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقدر تقسیم کیا جائے گا۔ اور جب وہ مجتمع ہوں تو آیت کے حکم کو ان حصوں پر تضارب کے لیے استعمال کرنا واجب ہوگا۔ اور جس شخص نے بعض پر اقتصار کیا اور بعض کو ساقط کر دیا یا بعض کے حصے کو کم کر دیا اور دوسروں کو ان کے پورے حصے دیئے تو اس نے بعض پر ظلم کیا حالانکہ حصوں کے بیان میں وہ دوسروں کے مساوی ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ جس کو اللہ تعالےٰ نے مقدم کیا اس کی تقدیم اور جس کو اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا اسکی تاخیر تو اللہ تعالیٰ نے بعض کو مقدم کیا اور بعض کو مؤخر کیا اور اس کیلئے حالت تعصیب میں باقی کو کیا رہی حصوں کے بیان کی وہ حالت کہ جس میں تعصیب نہیں ہے تو ان میں سے کسی کو دوسرے پر تقدیم میں اولیت حاصل نہیں ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ بہن کے حصے پر نص ہے قول الٰہی ولہ اخت فلہا نصف ما ترک جیسے کہ وہ نص ہے شوہر ماں اور ماں شریک بھائیوں کے حصے پر۔ پس ان لوگوں کی اس حالت میں ان حصوں پر تقدیم کیونکر واجب ہو گی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں (بیٹی یا بہن) کے حصے کی تصریح کی ہے جیسا کہ ان لوگوں کے حصوں کی تصریح کی جو اس کے ساتھ ہوں۔ اور یہ واجب نہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام میں اس کے متعین حصے کو غیر متعین کی طرف ہٹایا ہے اس لیئے اس حالت میں بھی اس کے متعین حصے کو ہٹایا جائے کہ جس میں اس کے متعین ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔ پس یہ قول میراث کے حصوں والی آیتوں کی مخالفت میں اس قول سے شنیع تر ہے کہ جس میں نصف نصف اور دو تہائی کا تضارب کے طریقے پر اثبات کیا گیا ہے۔ میراث میں اس کے اصولی نظائر بھی ہیں۔ فرمان الٰہی ہے من بعد وصیۃ یوصی بہا اؤ دین۔ پس اگر میت نے ہزار درہم چھوڑے اور ایک شخص کے اس کے ذمے ہزار درہم ہوں اور دوسرے کے پانچ سو ہوں اور تیسرے کے ہزار ہوں تو متروکہ ہزار ان کے دیون کے تناسب سے ان کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے۔ اور یہ کہنا جائز نہیں کہ چونکہ ڈھائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہزار کو ہزار میں سے وصول کرنا جائز نہیں تو ان کے ساتھ ضرب دینا بھی محال ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک شخص کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے اپنے حال کے چھٹے حصے کی وصیت کی اور ورثاء نے اس کی اجازت نہیں دی تو ان کی وصیتوں کے بقدر تہائی میں دونوں کا تضارب کیا جائے گا۔ پس ان میں سے ایک کو $\frac{1}{2}$ کے ساتھ ضرب دیا جائے گا اور دوسرے کو $\frac{1}{3}$ کے ساتھ حالانکہ تہائی میں سے نصف کو وصول کرنا محال ہے۔ اسی طرح بیٹا اگر تنہا ہو تو جمیع مال کا مستحق ہوتا ہے اور بیٹی تنہا ہو تو اس کو نصف ملتا ہے پس مال دونوں کے درمیان تہائیوں میں ہوتا ہے۔ اور حصوں کے ٹکراؤ کے وقت متعین حصوں میں ایسا ہی عول کا طریقہ ہے (واللہ اعلم۔)

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مذکورہ آیات کے ترجمے اور اسلوب کو دیکھتے ہوئے ان پر عمل کا عول کے طریقے سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ ان لوگوں کے عالی ذہنوں میں ڈال جن کو فقہاء کہا گیا اور فقہاء صحابہ میں بھی تھے تابعین میں بھی اور بعد والوں میں بھی۔ جاوید صاحب جب فقہاء کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں طنز و تشنیع صاف محسوس ہوتی ہے لیکن کوئی سورج پر تھوکے تو اپنے ہی اوپر آ کر گرتا ہے۔ اور یہ اسی کا اثر ہے کہ جاوید صاحب سے ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں جو کسی بھی عقل و علم رکھنے والے سے سرزد نہیں ہوتیں۔

جاوید صاحب کی ایک اور غلطی ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس کے بعد بھی ہمارے نزدیک ولابیہ السدس ایضاً یا اس کے ہم معنی الفاظ حذف ہو گئے ہیں۔ اس کا قرینہ واضح ہے۔ بھائی بہن موجود ہوں تو ماں کا حصہ وہی ہے جو اوپر اولاد کی موجودگی میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مذکور اس بات پر خود دلیل ہے کہ باپ کا حصہ بھی وہی ہونا چاہیئے۔ اس کو الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی پڑھنے والا صاحب ذوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو تو بغیر کسی تکلف کے سمجھ لے گا کہ جب ماں کا حصہ اصل کی طرف لوٹ گیا تو باپ کا حصہ خود بخود لوٹ جائے گا۔

ہمارے فقہاء ماں کو چھٹا حصہ دینے کے بعد باقی سارا مال باپ کو دلواتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے فان کان لہ اخوۃ کو "ورثہ ابواہ" سے متعلق مانا ہے حالانکہ کلام کی یہ تالیف کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ فان لم یکن لہ ولد سے جو شرطیہ جملہ شروع ہوا تھا وہ اپنی جزا فلامہ الثلث پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد اگر "ورثہ ابواہ" پر کسی شرط زائد کا تذکرہ مقصود ہوتا تو اس کے لیے موزوں اسلوب فان کان لہما ولد فلامہ السدس کا تھا۔ فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس شرط و جزا پر مشتمل ایک مستقل جملہ ہے جس میں مرنے والے ہی کے لیے ایک مزید وصف کا تذکرہ شرطیہ اسلوب میں ہوا ہے لہٰذا اس کا تعلق اگر ہو سکتا ہے تو فان لم یکن لہ ولد ہی سے ہو سکتا ہے گویا ایک نوع کی عدم موجودگی سے والدین کے حصے میں جو اضافہ ہوا تھا ایک دوسری نوع کی موجودگی نے اسے ختم کر دیا۔ ہم اسی بات کو اپنی زبان میں ادا کرنا چاہیں تو کہیں گے۔ اولاد موجود ہو تو والدین کا حصہ ایک تہائی ہے اگر اولاد نہ ہو اور والدین ہی وارث ہوں تو سارا ترکہ ان کا ہے اور اگر بہن بھائی ہوں تو والدین کو ایک تہائی ملے گا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے حکم کی جو صورت اولاد کی موجودگی میں تھی بھائی بہن موجود ہوں تو وہی صورت لوٹ آئے گی۔

ان آیات سے واضح ہے کہ اولاد کی غیر موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے بہن بھائیوں کو ان کا قائم مقام ٹھہرایا ہے۔

اخوۃ کا لفظ اس آیت میں ہمارے نزدیک مطلق وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ بھائی بہنوں کی موجودگی میں عام اس سے کہ وہ ایک ہوں یا دو یا دو سے زیادہ ہوں والدین کا حصہ کم ہو جائے گا۔ اس طرح کے اسلوب میں جمع تعداد میں کثرت کو بیان کرنے کے لیے نہیں لائی جاتی۔ لغت عرب میں جس طرح بعض مفرد الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثنی اور جمع پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح قرینہ دلیل ہو تو جمع کا اطلاق مثنی و مفرد پر بھی ہوتا ہے۔۔۔ ماہرین فقہ و قانون یہاں جمع و مثنی کی بحث کرنے پر مصر ہیں۔ قیاس و اجتہاد میں ان حضرات کے مقام بلند سے مجال انکار نہیں لیکن آیات میراث کی تاویل میں قدم قدم پر وہی معاملہ ہے کہ ع بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است ص۵۵تا۵۰

جاوید صاحب کی اس طول طویل عبارت کے بالکل آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مجتہد کی تعریف اور اجتہاد کے لیئے مشروط صلاحیتوں کا علم نہیں لیکن جب ہم جاوید صاحب کے کثیر تعداد میں دیئے ہوئے حوالے دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ باور کرنے میں باک ہوتا ہے کہ وہ اتنی موٹی بات سے لاعلم ہوں گے بلکہ ہمیں یقین سا ہونے لگتا ہے کہ فقہاء کے لفظ سے ہی ان کو الرجی سی ہے جاوید صاحب کے اس قول کہ "قیاس و اجتہاد میں ان حضرات کے مقام بلند سے مجال انکار نہیں" سے مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ جو اجتہاد و قیاس اصول بلاغت اور اسالیب قرآنی سے ناواقفیت پر مبنی ہو اور منشاء قرآنی کے خلاف ہو وہ قابل تعریف ہرگز نہیں ہو سکتا لہٰذا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جاوید صاحب نے اس مقام میں ایک نسبتاً مہذب پیرائے میں وہی بات کہی جو اس سے پیشتر وہ کھل کر کہہ چکے ہیں یعنی یہ کہ "ان حضرات کی یہی غلطی ہے جس کی وجہ سے انہیں عول کا وہ عجیب و غریب قاعدہ ایجاد کرنا پڑا ہے جس کو ماہرین فقہ و قانون کی بوالعجبیوں میں قیامت تک بلند ترین مقام حاصل رہے گا کسی شخص نے کبھی علمی دنیا کے اعجوبوں کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی تو ہمیں یقین ہے کہ ہمارے علم میراث کی یہ یادگار اس میں سرفہرست رہے گی" (ص ۵۰)

اور کسی کی نہیں نواب صدیق حسن خاں صاحب ہی کی زبانی اجتہاد کی شرائط سن لیجیئے فرماتے ہیں۔

ولابد ان یکون عاقلا بالغا قد ثبت له ملکة یقتدر بها علی استخراج الاحکام من ماخذها و انما یتمکن من ذلك بشروط الاول ان یکون عالما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنصوص الکتاب والسنۃ فان قصر فی احدھما لم یکن مجتھدا ولا یجوز لہ الاجتھاد۔۔۔۔الخ

ضروری ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو۔ اس کے لیے ایسا ملکہ ثابت ہو جس سے اس کو احکام کے ان کے ماخذ سے استخراج پر قدرت ہو۔ اور اس پر قدرت چند شرائط سے ہوگی۔ اول کتاب وسنت کے نصوص کا عالم ہو اگر ان میں سے کسی میں بھی کوتاہی ہوگی تو وہ مجتہد نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہوگا۔

الثانی ان یکون عارفا بمسائل الاجماع۔۔۔۔الخ

ثانی اجماعی مسائل سے واقف ہو۔

الثالث ان یکون عالما بلسان العرب بحیث یمکنہ تفسیر ما ورد فی الکتاب۔ والسنۃ من غریب ونحوہ ولا یشترط حفظ عن ظھر قلب بل المعتبر التمکن من استخراجھا من مؤلفات الائمۃ وقد قربوھا احسن تقریب وھذبوھا ابلغ تھذیب وانما یتمکن من معرفۃ معانیھا ولطائف مزایاھا من کان عالما بعلم النحو والصرف والمعانی والبیان حتی تثبت لہ فی کل فن من ھذہ ملکۃ یستحضر کل ما یحتاج الیہ فانہ عند ذلک ینظر فی الدلیل نظرا صحیحا ویستخرج منہ الاحکام استخراجا قویا ومن جعل المقدار المحتاج الیہ ھو معرفۃ مختصراتھا اوکتاب متوسط من مؤلفاتھا فقد ابعد استکثار من الممارسۃ لھا والتوسع فی الاطلاع علی مطولاتھا ممایزید المجتھد قوۃ فی البحث وبصرا فی الاستخراج وبصیرۃ فی حصول مطلوبہ۔

ثالث عربی زبان کا عالم اس درجے کا ہو کہ کتاب وسنت میں جو غریب الفاظ وغیرہ ہوں ان کی تفسیر کرسکے۔ اور اس کو زبانی یاد کرنا شرط نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے بلکہ اعتبار اس کا ہے کہ وہ ائمہ کی تالیفات میں سے ان کا استخراج کر سکے جنہوں نے تالیفات کی انتہائی درجے تک تقریب و تہذیب کی ہے۔ ان معانی کی معرفت اور دیگر باریکیوں کو محض وہ شخص جان سکتا ہے نحو صرف معانی اور بیان کا عالم ہو یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک فن میں اس کو ایسا ملکہ حاصل ہو کہ ضرورت کی باتوں کا استحضار کر سکے کیونکہ اس وقت وہ دلیل میں صحیح نظر کر سکے گا اور احکام کا قوی استخراج کر سکے گا۔ اور جس شخص نے مقدار ضرورت اس فن کی مختصرات یا کسی متوسط تالیف کی معرفت کو قرار دیا تو اس نے بعید بات کہی۔ بلکہ ممارست میں کثرت اور اس کی مطولات پر اطلاع میں وسعت وہ امور ہیں جو مجتہد میں بحث کی قوت اور استخراج میں نظر اور مطلوب کے حصول میں بصیرت کے اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔

توضیح میں ہے۔

شرط الاجتہاد ان یحوی علم الکتاب بمعانیہ لغۃ وشرعا واقسامہ المذکورۃ

تلویح میں ہے۔

اما لغۃ فبان یعرف معانی المفردات والمرکبات وخواصہا فی الافادۃ فیفتقر الی اللغۃ والصرف والنحو والمعانی والبیان الا ان یعرف ذلک بحسب السلیقۃ و اما شریعۃ فبان یعرف المعانی المؤثرۃ فی الاحکام ۔۔۔ الخ جلد ۲ ص ۱۱۷ (مطبع نور محمد کراچی)

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ کتاب اللہ کے علم پر حاوی ہو یعنی لغت و شرع کی رو سے اس کے معانی اور اس کی اقسام مذکورہ پر حاوی ہو ..... الخ

رہا لغت کے اعتبار سے تو مفردات و مرکبات کے معانی کو اور ان کے خواص کو باعتبار افادہ معانی کے جاننا ہے۔ پس وہ محتاج ہوگا لغت صرف نحو معانی اور بیان کا الا یہ کہ اس کو یہ معرفت سلیقہ سے ہی حاصل ہو۔ رہا شریعت کی رو سے تو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان معانی کو جاننا ہے جو احکام میں مؤثر ہیں۔

تو فقہاء کے صرف قیاس و اجتہاد (جاوید صاحب نے غالباً اجتہاد کو بھی صرف قیاس کے معنی میں لیا ہے کیونکہ فقہاء کے بارے میں اکثر غلط فہمی میں مبتلا لوگ یہی خیال کرتے کہ وہ قرآن و حدیث کو ایک طرف کر کے بس قیاس و رائے پر ہی اپنی توانائیاں صرف کرتے ہیں) ہی میں مقام بلند سے مجال انکار نہیں بلکہ تفسیر و تاویل میں بھی ان کے مرتبہ عالی میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

جاوید صاحب نے میزان ص ۶۵ پر بخاری و مسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے اور اس کو حجت بھی بنایا ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحقوا الفرائض باھلھا فما ترکت الفرائض فھو لاولی رجل ذکر۔

ابن عباس کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصحاب فرائض کو ان کا حصہ دو پھر اگر کچھ بچے تو وہ قریب ترین مرد کے لیئے ہے (ترجمہ جاوید صاحب کا ہے)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اصحاب فرائض کے بعد عصبات کا نمبر آتا ہے اور عصبات کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ صاحب فرض نہ ہو کیونکہ حدیث میں ایسی کوئی قید نہیں اور جب تک مطلق پر عمل ہو سکتا ہو مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص کے ورثاء میں صرف ایک لڑکی اور ایک باپ ہے۔ تو فرائض کے مطابق لڑکی کو نصف اور باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ باقی تہائی (⅓) کون لے گا۔ اس کا مستحق مذکورہ حدیث کے مطابق باپ ہوگا کیونکہ اس وقت وہی اولیٰ رجل ذکر ہے یہی حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ ورثاء میں صرف ایک بہن اور باپ ہو لہٰذا باپ اپنے حصے سے زائد عصبہ ہو کر لے رہا ہے (جاوید صاحب تو اپنی تاویل کے مطابق بیٹی یا بہن کو باپ کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا نصف دیتے ہیں تو اس صورت میں کل ترکہ کا ایک تہائی سے کچھ زائد ہی بچے گا یعنی کل ترکہ کا $\frac{5}{12}$ حصہ جو آخر باپ کو دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے گا۔

ممکن ہے جاوید صاحب یہ کہیں کہ حدیث کا اسلوب کہ اصحاب فرائض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ قریب ترین مرد کو دو یہ بتلا رہا ہے کہ قریب ترین مرد وہ ہو جو اصحاب فرائض کے علاوہ ہو لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم اس صورت کی بات کر رہے ہیں کہ جب بیٹی یا بہن، اور باپ کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار نہ ہو کہ اس کو کچھ دیا جاسکے۔ اس اس صورت میں جاوید صاحب کیا کرتے ہیں اس کا انہوں نے سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں جو ممکنہ صورتیں ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مذکورہ حدیث میں ہم نے جو احتمال پیش کیا ہے اس کے مطابق باپ عصبہ بن کر باقی مال لے گا۔

(۲) بیٹی اور باپ کے درمیان باقی مال کو رد کیا جائے۔

(۳) باقی مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے۔

ہم مجبور ہیں کہ ان ہی میں سے کوئی صورت اختیار کریں۔ چونکہ پہلی صورت کی تائید حدیث سے ہوتی ہے لہٰذا ہم اسکو ترجیح دیتے ہیں۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میرا پوتا مر گیا ہے تو میرے لیے اس کی میراث میں سے کتنا حصّہ ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے لیے چھٹا حصّہ ہے۔ جب وہ مڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور فرمایا ایک اور چھٹا حصّہ ہے۔ جب وہ مڑا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ یہ دوسرا چھٹا حصّہ تیرے لیے رزق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پہلا چھٹا حصّہ تو دادا کے اصحاب الفرائض ہونے کی بنا پر ملا اور دوسرا چھٹا حصّہ یعنی دیگر اصحاب الفرائض (جو غالباً دو بہنیں یا دو بیٹیاں ہوں گی) کہ حصّہ دینے کے بعد باقی بچ رہنے والا مال قریب ترین مرد یعنی عصبہ ہونے کی بنا پر۔

کلالہ پر بحث کرتے ہوئے جاوید صاحب لکھتے ہیں:

"باعتبار مجاز ائمہ لغت نے بالعموم اس کے تین معنی بیان کئے ہیں"۔

ایک وہ شخص جس کے پیچھے اولاد اور والد دونوں میں سے کوئی نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے وہ قرابت جو اولاد اور والد کی طرف سے نہ ہو۔
تیسرے کسی شخص کے وہ رشتہ دار جن کا تعلق اس کے ساتھ اولاد اور والد کا نہ ہو۔
آگے لکھتے ہیں:
"پہلے معنی یعنی اس شخص کے لیے جس کے پیچھے اولاد اور والد دونوں میں سے کوئی نہ ہو اس کا استعمال اگرچہ اصول عربیت کے مطابق ہے لیکن اس کی کوئی نظیر کلام عرب میں ہمیں نہیں مل سکی"۔
"دوسرے معنی یعنی اس قرابت کے لیے جو اولاد اور والد کی طرف سے نہ ہو اس کے استعمال کے نظائر کلام عرب میں عام ہیں" (اس کے لیے طرماح کا ایک شعر اور عامر بن طفیل کا ایک مصرعہ ذکر کیا)
تیسرے معنی یعنی کسی شخص کے ان رشتہ داروں کے لیے جن کے ساتھ اس کا تعلق اولاد اور والد کا نہ ہو۔ اس کا استعمال قطعی شہادتوں سے ثابت ہے۔
حماسی شاعر یزید بن الحکم الثقفی اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے:
والمرء یبخل بالحقوق وللکلالة ما یسیم (انسان حقوق ادا کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے جنگل میں چرنے والے جانور دور کے رشتہ دار لے جاتے ہیں۔)
ازہری نے ایک شاعر کا شعر نقل کیا ہے۔
فان ابا المرء احمی له ومولی الکلالة لا یغضب (آدمی پر ظلم کیا جائے تو اس کی حمایت میں اس کا باپ ہی سب سے بڑھ کر غضب ناک ہوتا ہے۔ کلالہ رشتہ دار آدمی کے لیے اس کے باپ کی طرح غضب ناک نہیں ہوتے)
ایک اعرابی کا قول ہے:
مالی کثیر ویرثنی کلالة متراخ نسبهم (میرے پاس کثیر مال ہے اور میرے وارث دور کے رشتہ دار ہیں)
مسلم نے الجامع الصحیح کے باب میراث الکلالہ میں جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

یا رسول اللہ انما یرثنی کلالۃ

بہت سی تفسیری روایات میں بھی یہ معنی بیان ہوئے ہیں۔ ابوبکر جصاص اپنی کتاب احکام القرآن کے باب الکلالہ میں لکھتے ہیں:

وروی عن ابی بکر الصدیق وعلی وابن عباس فی احدی الروایتین ان الکلالۃ ما عدا الوالد والولد وروی محمد بن سالم عن الشعبی عن ابن مسعود انہ قال الکلالۃ ما خلا الوالد والولد وعن زید بن ثابت مثلہ۔

ترجمہ: ابوبکر صدیق، علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس باب میں جو دو روایتیں ہیں ان میں سے ایک میں ہے کہ باپ اور اولاد کے سوا سب کلالہ ہیں اور محمد بن سالم نے شعبی سے انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا باپ اور اولاد کے سوا سب کلالہ ہیں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی معنی روایت کئے گئے ہیں۔

اب آیہ زیر بحث میں دیکھئے۔ جہاں تک پہلے معنی کا تعلق ہے فقہاء نے اگرچہ یہاں بالاتفاق وہی معنی مراد لیے ہیں لیکن آیت ہی میں دلیل موجود ہے کہ یہ معنی یہاں مراد لینا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

غور فرمائیے یوصیکم اللہ فی اولادکم سے جو سلسلہ بیان شروع ہوتا ہے اس میں اولاد اور والدین کا حصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تعمیل وصیت کی تاکید من بعد وصیۃ یوصین بھا أو دین اور من بعد وصیۃ توصون بھا أو دین کے الفاظ میں کی ہے۔ ازواج کے حصوں میں اسی مقصد کے لیے من بعد وصیۃ یوصین بھا أو دین اور من بعد وصیۃ توصون بھا أو دین کے الفاظ آئے ہیں۔ تدبر کی نگاہ سے دیکھئے تو ان سب مقامات پر فعل مبنی للفاعل (معروف) استعمال ہوا ہے اور یوصی یوصین اور توصون میں ضمیر کا مرجع ہر جملے میں بالصراحت مذکور ہے۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کا ایک طالب علم اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کر سکتا کہ کلالہ کے احکام میں یہی لفظ مبنی للمفعول (مجہول) ہے۔ یہ تبدیلی صاف بتا رہی ہے کہ ان کان رجل یورث کللۃ أو امرأۃ میں یوصی کا فاعل یعنی مورِث مذکور نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس آیت میں کلالہ کو کسی طرح مرنے والے کے لیے اسم صفت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ تغیر حجت قطعی ہے کہ قرآن مجید نے یہ لفظ اس آیت میں پہلے معنی یعنی اس شخص کے لیے جس کے پیچھے اولاد اور والد دونوں میں سے کوئی نہ ہو استعمال نہیں کر سکتا ہے۔

اب رہے دوسرے اور تیسرے معنی تو ان میں سے جو بھی مراد لیے جائیں آیت کا مدعا چونکہ ایک ہی رہتا ہے اس لیے ترجیح محض حسن تالیف کے لحاظ سے ہوگی۔ چونکہ آیت میں یورث باب افعال سے مبنی للمفعول ہے۔

کلالہ اس کی ضمیر سے حال پڑا ہوا ہے۔ کان یہاں ناقصہ ہے اور یورث اس کی خبر واقع ہوا ہے۔ رجل أو امرأۃ۔ کان کا اسم ہے۔ اورث یورث کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ بالعموم دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ یہاں دلالت سیاق کی وجہ سے دوسرا مفعول یعنی ما ترك حذف ہوگیا ہے۔ اس تالیف کلام کی رو سے اس ٹکڑے کا ترجمہ یہ ہوگا "اور اگر کسی مرد یا عورت کو اس حال میں ترکے کا وارث بنایا جاتا ہے کہ وہ کلالہ ہے"۔[1]

جاوید صاحب نے یہاں اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ قرآن پاک میں مذکور کلالہ سے پہلا معنی مراد لینا کسی طرح ممکن نہیں اور اس کے لیے معروف سے مجہول کی طرف تغیر حجت قطعی ہے۔

یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہ امر محال ہے کہ کسی لغت کے تمام فصیح و بلیغ استعمال اس کے کلام منقول میں پائے جائیں اور دور جاہلی کے اگرچہ شعراء و خطباء بہت سے تھے لیکن ان کا منقول کلام آخر ہم تک کیا اتنی وافر مقدار میں پہنچا ہے کہ ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہوں کہ لبید و اعشیٰ کے دیوان پڑھ کر ہم قرآن کے تمام استعمالات ان میں سے نکال سکتے ہیں۔ جب ایک معنی اصول عربیت کے مطابق ہے تو منقول کلام میں اس کے استعمال کا نہ پایا جانا آخر اس کو مراد لینے سے کیسے مانع بن سکتا ہے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ کلام عرب میں اس کی نظیر نہیں مل سکی جس طرح جاوید صاحب کے بقول تیسرے معنی میں استعمال قطعی شہادتوں سے ثابت ہے اتنے

---

[1] میزان حصہ اول اقتباسات صفحہ ۶۰ تا ۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی درجے کی قطعی شہادتوں سے اس لفظ کا استعمال پہلے معنی میں ثابت ہے۔ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ
ہی اپنی احکام القرآن میں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ عن الحسن بن محمد قال سألت ابن عباس عن الکلالۃ فقال من لا ولد له ولا والد

ترجمہ: حسن بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والد ہو۔

۲۔ روی طاؤس عن ابن عباس قال کنت آخر الناس عهدا بعمر بن الخطاب فسمعته یقول القول ما قلت قلت وما قلت قال الکلالة من لا ولد له (باب الکلالۃ ج ۲)

ترجمہ: طاؤس ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں لوگوں میں سب سے آخر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے والا تھا تو میں نے ان کو وہی بات کہتے سنی جو میں کہتا تھا۔ طاؤس کہتے ہیں میں نے پوچھا آپ کیا کہتے تھے جواب دیا کہ کلالہ وہ شخص ہوتا ہے جس کی اولاد نہ ہو۔

مزید براں ہم نے پہلے امام رازی کی تفسیر کبیر کا حوالہ نقل کیا تھا جس میں فرزدق شاعر کا یہ شعر تھا۔

ورثتم قناة الملك لا عن كلالة عن ابنی مناف عبد شمس وهاشم

امام رازی خود فرماتے ہیں کہ فرزدق نے کلالہ کا استعمال مورث کے لیے کیا ہے۔

فان معناه انكم ما ورثتم الملك عن الاعمام بل عن الآباء فسمی العم كلالة وهو ههنا مورث لا وارث۔

ترجمہ: کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ملک چچاؤں سے میراث میں نہیں پایا ہے بلکہ آباء سے پایا ہے فرزدق نے چچا کو کلالہ کہا جو یہاں مورث ہے وارث نہیں۔

مزید صاحب کشاف زمخشری کو لے لیجئے جن کو جاوید صاحب بھی امام لغت مانتے ہیں وہ کشاف میں لکھتے ہیں (وان کان رجل) یعنی المیت و (یورث) من ورث ای یورث منه وهو صفة لرجل۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جاوید صاحب کے استاذ امام امین احسن اصلاحی صاحب بھی نہ جانے کیوں اس مقام میں فقہاء ہی کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں ۔ تدبر قرآن میں لکھتے ہیں " اور اگر کسی مرد یا عورت کی وراثت اس حال میں تقسیم ہو کہ نہ اس کے اصول میں کوئی ہو نہ فروع میں ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو[1]. . . زمخشری اور امین احسن اصلاحی کے حوالے اس لیے دیے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ رجل سے یہاں میت مراد ہے جبکہ جاوید صاحب رجل سے وارث مراد لے رہے ہیں ۔

اور پہلے ہم حوالوں سے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ فقہاء مجتہدین کو عربیت پر پورا عبور حاصل ہوتا تھا ۔ لہٰذا خود جاوید صاحب کا یہ اقرار کرنا کہ " فقہاء نے اگرچہ یہاں بالاتفاق وہی معنی (یعنی معنی اوّل) مراد لیے ہیں " ایک بہت بڑی سند ہے ۔ لیکن جاوید صاحب کا ایسا کہنا محل نظر ہے کیونکہ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں

ثم ان الذی علیہ اھل الکوفۃ وجماعۃ من الصحابۃ والتابعین ھو ان الکلالۃ ھنا بالمعنی الثالث (یعنی من لیس بوالد ولا ولد من المخلفین) ۔ وروی عن آخرین منھم ابن جبیر وصح بہ خبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا بالمعنی الثانی (یعنی من لم یخلف والدا ولا ولدا) ۔

ترجمہ : پھر اہل کوفہ اور صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ کلالہ یہاں تیسرے معنی میں ہے (یعنی اولاد و والد کے علاوہ دوسرے وارث) اور دوسروں سے جن میں ابن جبیر بھی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے مروی ہے کہ یہ دوسرے معنی میں ہے (یعنی وہ میت و مورث جس نے والد و اولاد نہ چھوڑی ہو) ۔

کلالہ سے وارث مراد لینے کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی وان کان رجل یورث ذا کلالۃ (املاء ما من بہ الرحمٰن) جسکی وجہ سے آیت کی عملی صورت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا ۔

---

[1] ترجمہ آیت تدبر قرآن ج ۲ ص ۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب جاوید صاحب کی اس دلیل کو بھی دیکھ لیں جس کی بنا پر ان کے بقول پہلا معنی یہاں مراد لینا کسی طرح ممکن نہیں ۔ جاوید صاحب کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اس سے قبل یوصی وغیرہ فعل معروف لایا گیا ہے جس کے فاعل کی ضمیر کا مرجع پہلے مذکور ہے اور وہ میت ہے کیونکہ وہی وصیت کرتا ہے لفظ کلالہ کے ساتھ یوصی بھا فعل مجہول لائے ہیں جس کا نائب فاعل ہوتا ہے فاعل نہیں ہوتا ۔ لہٰذا پیچھے میت کا ذکر نہیں ہونا چاہیے ۔ اور اس طرح جو کلالہ مذکور ہے وہ میت نہیں ہوسکتا ۔ ہم ذیل میں اس آیت کا کلالہ کے پہلے معنی میں ترجمہ نقل کرتے ہیں قارئین خود دیکھ لیں کہ ترجمہ میں کوئی خرابی نہیں ہے حالانکہ اگر پہلا معنی مراد لینا کسی طرح ممکن نہ ہوتا تو ترجمہ میں خرابی نظر آنی چاہیے تھی ۔

اور خرابی ہو بھی کیسے جاوید صاحب تو خود بھی کہہ چکے ہیں کہ اس معنی میں استعمال بہرحال اصول عربیت کے مطابق ہے ۔

ترجمہ اور اگر وہ مرد جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میّت کے بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصّہ ہے اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے ۔

معروف سے مجہول کی طرف تغیر اپنے اس دعویٰ پر حجت قطعی سمجھنا یہ جاوید احمد جیسے لوگوں ہی کا کام ہے اہل علم ایسی بے تکی باتیں نہیں کرتے کس دلیل سے یہ تغیر اس بارے میں حجت قطعی ہے جاوید صاحب نے اس کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ۔

اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے جاوید صاحب نے اس بات کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے کہ یورث باب افعال سے مبنی للمفعول ہے ۔ اختلاف کرتے ہوئے صرف اس کو ذکر کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کسی اور باب سے نہیں ہوسکتا ورنہ تو دیگر احتمالات کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا ۔ اور باب افعال سے مبنی للمفعول بنانے میں غالباً جاوید صاحب ہی منفرد ہیں امام لغت صاحب کشاف کو بھی یہ بات نہ سوجھی ۔ وہ بھی یہ لکھتے ہیں (وان کان رجل) یعنی المیّت و(یورث) من ورث ای یورث منه وهو صفة لرجل (کشاف) یعنی وہ اس کو ثلاثی مجرد سے مبنی للمفعول بناتے ہیں اور یہی جاوید صاحب کے استاذ امام امین احسن اصلاحی صاحب بھی کہتے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روح المعانی میں ہے

یورث علی البناء للمفعول من ورث الثلاثی خبر کان والمراد یورث منه فان ورث تتعدی بمن وکثیرا ما تحذف ۔

ترجمہ : یورث ورث ثلاثی سے مبنی للمفعول ہو کر کان کی خبر ہے اور اس سے مراد یورث منه کیونکہ ورث مِنْ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جو اکثر اوقات حذف کر دیا جاتا ہے ۔

یورث میں اور قرأتیں بھی ہیں لیکن وہ تخفیف و تشدید کے ساتھ مبنی للفاعل ہی ہیں ۔

۳۔ جب جاوید صاحب نے یورث کو باب افعال سے مبنی للمفعول بنایا تو اس کا یوں ترجمہ کیا "۔ اور اگر کسی مرد یا عورت کو اس حال میں ترکے کا وارث بنایا جاتا ہے کہ وہ کلالہ ہے" اور پھر آگے لکھتے ہیں " وارث بنانے کا اختیار مرنے والے ہی کو ہو گا اور ترکے کا وارث بنایا جاتا ہے ، ان الفاظ کا مدعا بھی اس سیاق میں ظاہر ہے یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ترکہ جو ان وارثوں کا حصّہ دینے کے بعد یا ان کی عدم موجودگی میں جن کے حصّے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں موجود ہو"

اس کے بعد فرمایا ...... "یعنی ایک ہی رشتہ کے متعلقین میں سے اگر کسی ایک مرد یا عورت کو وارث بنایا جاتا ہے تو جس کو وارث بنایا جائے گا اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اس کو مال کا چھٹا حصّہ جس کا اسے وارث بنایا گیا ہے اس کے بھائی یا بہن کو دیا جائے گا اور اگر اس کے بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے"۔

جاوید صاحب آگے بتاتے ہیں کہ اگر میّت کی اولاد نہ ہو تو اولاد سے بچنے والا مال میں کسی کلالہ رشتہ دار کو وارث بنایا جا سکتا ہے ۔ البتہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اس وارث کا کوئی بھائی بہن ہو تو چھٹا یا تہائی ان کو ملے گا ۔

اگر میّت کی اولاد نہ ہو تو سورۃ نساء کی آخری آیت کی رو سے بھائی بہن کی موجودگی میں ان کو اس کے مطابق حصّہ ملے گا اگر کوئی شخص اصحاب فرائض سے بچے ہوئے ترکے میں کسی کو وارث بنائے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس صورت کا حکم اس حدیث میں ہے

الحقوا الفرائض باھلھا فما ترکت الفرائض فھو لاولی رجل ذکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: اصحاب فرائض کو ان کا حصّہ دو پھر اگر کچھ بچے تو وہ قریب ترین مرد کے لیے ہے۔ (المیزان)

جاوید صاحب کی بیان کردہ پوری تفصیل باطل ہے کیونکہ

۱۔ ہم بتا چکے ہیں کہ یورث کے باب افعال سے مبنی للمفعول ہونے کا کسی نے قول نہیں کیا ہے۔ نہ امام لغت علامہ زمخشری نے نہ جاوید صاحب کے استاد امام نے اور نہ ہی کسی اور مفسر نے۔ اور جاوید صاحب کی بیان کردہ تفصیل کا دارومدار یورث کو باب افعال سے بنانے پر ہے۔ اسی طرح رجلٌ سے صرف جاوید صاحب ہی وارث مراد لیتے ہیں ورنہ تمام مفسرین بشمول زمخشری اور امین احسن اصلاحی اس سے میّت مراد لیتے ہیں۔

۲۔ حدیث الحقوا الفرائض باھلھا فما ترکت الفرائض فھو لاولی رجل ذکر کو اس قید کے ساتھ مقید کرنا کہ میّت نے بچے ہوئے ترکے میں کسی کو وارث نہ بنایا ہو بلا دلیل ہے۔ آخر کوئی دلیل تو ہونی چاہیے تھی اور دلیل آیت کے علاوہ ہونی چاہیے کیونکہ آیت کا ترجمہ ہی تو جاوید صاحب اور دوسروں کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

۳۔ میّت کا کسی کے لیے کچھ مال مقرر کرنا وصیت کہلاتا ہے۔ ممکن ہے کہ میّت بچے ہوئے مال کی جس کے لیے وصیت کرے وہ قریب ترین مرد ہونے کی بنا پر وارث بنتا ہو۔ اس صورت میں وصیت کرنا بے کار ہے کیونکہ بہرحال مال اس کو ملنا ہی تھا اور اگر وہ قریب ترین مرد نہ ہو مثلاً بھائی کی موجودگی میں چچا یا ذوی الارحام میں سے ماموں کے لیے وصیت کی تو وصیت تو نص قرآنی کی رو سے تقسیم وراثت پر مقدم ہے۔ جاوید صاحب اس کو کیونکر مؤخر کر سکتے ہیں۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ جاوید صاحب کے کلالہ سے متعلق استدلالات بلا دلیل اور انتہائی غلط ہیں۔ کم از کم ان کی بنیاد پر تو وہ کلالہ کا کوئی معنی معین کرنے میں حق بجانب نہیں اس کے مقابلے میں فقہاء کی رائے ہر قسم کے اعتراضات سے پاک ہے۔ جاوید صاحب جیسے لوگوں کو چاہیے کہ اپنی عاقبت خراب کرنے کے بجائے فقہاء کے مسلّم اقوال ہی کو اختیار کریں تاکہ خود بھی گمراہ ہونے سے بچیں اور دوسروں کو بھی گمراہ نہ کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلسلہ مطبوعاتِ مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری — ۲۷

فتاویٰ عالمگیری کے مؤلّفین

تالیف

مولانا مجیب اللہ ندوی

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نسبت روڈ ○ لاہور

© rasailojaraid.com